

تفسير القرآن

الطارق

(٨٦)

الطارق

نام | پہلی ہی آیت کے لفظ الطارق کو اس کا نام قرار دیا گیا ہے۔

زمانہ نزول | اس کے مضمون کا اندازہ بیان مکہ معظمہ کی ابتدائی سورتوں سے ملتا جلتا ہے، مگر یہ اُس زمانہ کی نازل شدہ ہے جب کفار مکہ قرآن اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو ترک دینے کے لیے ہر طرح کی چالیں چل رہے تھے۔

موضوع اور مضمون | اس میں دو مضمون بیان کیے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ انسان کو مرنے کے بعد، خدا کے سامنے حاضر ہونا ہے۔ دوسرے یہ کہ قرآن ایک قولِ فیصل ہے جسے کفار کی کوئی چال اور تدبیر ترک نہیں دے سکتی۔

سب سے پہلے آسمان کے تاروں کو اس بات کی شہادت میں پیش کیا گیا ہے کہ کائنات کی کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو ایک ہستی کی نگہبانی کے بغیر اپنی جگہ قائم اور باقی رہ سکتی ہو۔ پھر انسان کو خود اس کی اپنی ذات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ کس طرح نطفے کی ایک بوند سے اُس کو وجود میں لایا گیا اور جیتا جاگتا انسان بنا دیا گیا۔ اس کے بعد فرمایا گیا ہے کہ جو خدا اس طرح اُسے وجود میں لایا ہے وہ یقیناً اُس کو دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے۔ اور یہ دوبارہ پیدائش اس عرض کے لیے ہوگی کہ انسان کے اُن تمام رازوں کی جانچ پڑتال کی جائے جن پر دنیا میں پردہ پڑا رہ گیا تھا۔ اُس وقت اپنے اعمال کے نتائج بھگتنے سے انسان نہ اپنے بل بونے پر بچ سکے گا اور نہ کوئی اُس کی مدد کرنا سکے گا۔

خاتمہ کلام پر ارشاد ہوا ہے کہ جس طرح آسمان سے بارش کا برسنا اور زمین سے درختوں اور فصلوں کا اُگنا کوئی کھیل نہیں بلکہ ایک سنجیدہ کام ہے، اُسی طرح قرآن میں جو حقائق بیان کیے گئے ہیں وہ بھی کوئی ہنسی مذاق نہیں ہیں بلکہ پختہ اور اٹل باتیں ہیں۔ کفار اس غلط فہمی میں ہیں کہ اُن کی چالیں اس قرآن کی دعوت کو ترک دے دیں گی، مگر انہیں خبر نہیں ہے کہ اللہ بھی ایک تدبیر میں لگا ہوا ہے اور اس کی تدبیر کے آگے کفار کی چالیں سب دھری کی دھری رہ جائیں گی۔ پھر ایک فقرے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تسلی اور درپردہ کفار کو یہ دھمکی دے کر بات ختم کر دی گئی ہے کہ آپ ذرا صبر سے کام لیں اور کچھ مدت کفار کو اپنی سمی کر لینے دیں، زیادہ دیر نہ گزرے گی کہ انہیں خود معلوم ہو جائے گا کہ ان کی چالیں قرآن کو ترک دیتی ہیں یا قرآن اُسی جگہ غالب آکر رہتا ہے جہاں یہ اُسے ترک دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔

اِنَّاۤ اَنۡاۤ اِنَّاۤ سُوْرَةُ الطَّارِقِ مَكِّيَّةٌ رُّكُوْعُهَآ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ۝ وَمَا اَدْرٰکُ مَا الطَّارِقُ ۝ النُّجْمُ الثَّاقِبُ ۝
اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَیْهَا حَافِظٌ ۝ فَلِیَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۝

قسم ہے آسمان کی اور رات کو نمودار ہونے والے کی۔ اور تم کیا جانو کہ وہ رات کو نمودار ہونے والا کیا ہے؟ چمکتا ہوا تارا۔ کوئی جان ایسی نہیں ہے جس کے اوپر کوئی نگہبان نہ ہو۔ پھر ذرا انسان ہی دیکھ لے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے۔

۱۔ نگہبان سے مراد خود اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جو زمین و آسمان کی ہر چھوٹی بڑی مخلوق کی دیکھ بھال اور حفاظت کر رہی ہے، جس کے وجود میں لانے سے ہر شے وجود میں آتی ہے، جس کے باقی رکھنے سے ہر شے باقی ہے، جس کے سنبھالنے سے ہر شے اپنی جگہ سنبھلی ہوئی ہے، اور جس نے ہر چیز کو اس کی ضروریات بہم پہنچانے اور اُسے ایک مدت مقررہ تک آفات سے بچانے کا ذمہ لے رکھا ہے۔ اس بات پر آسمان کی اور رات کی تارکی میں نمودار ہونے والے ہزارے اور ستیاریے کی قسم کھائی گئی ہے (النجم الثاقب کا لفظ اگرچہ لغت کے اعتبار سے واحد ہے، لیکن مراد اُس سے ایک ہی تارا نہیں بلکہ تاروں کی جنس ہے)۔ یہ قسم اس معنی میں ہے کہ رات کو آسمان میں یہ بے حد و حساب تارے اور ستیاریے جو چمکتے ہوئے نظر آتے ہیں ان میں سے ہر ایک کا وجود اس امر کی شہادت دے رہا ہے کہ کوئی ہے جس نے اُسے بنایا ہے، روشن کیا ہے، فضا میں معلق رکھ چھوڑا ہے، اور اس طرح اس کی حفاظت و نگہبانی کر رہا ہے کہ نہ وہ اپنے مقام سے گرتا ہے، نہ بے شمار تاروں کی گردش کے دوران میں وہ کسی سے ٹکراتا ہے اور نہ کوئی دھڑکا تارا اس سے ٹکراتا ہے۔

۲۔ عالم بالاک طرف توجہ دلانے کے بعد اب انسان کو دعوت دی جا رہی ہے کہ وہ خود ذرا اپنی ہستی ہی پر غور کر لے کہ وہ کس طرح پیدا کیا گیا ہے۔ کون ہے جو باپ کے جسم سے خارج ہوئے والے اربوں جنٹوں میں سے ایک جنٹو ہے اور ماں کے اندر سے نکلنے والے کثرت بیضوں میں سے ایک بیضے کا انتخاب کر کے دونوں کو کسی وقت جوڑ دیتا ہے اور اس سے ایک خاص انسان کا استقرارِ حمل واقع ہو جاتا ہے؟ پھر کون ہے جو مستقر اور حمل کے بعد سے ماں کے پیٹ میں درجہ بدرجہ اُسے نشوونما دے کر اسے اس حد کو پہنچاتا ہے کہ وہ ایک زندہ بچے کی شکل میں پیدا ہوتا ہے، پھر کون ہے جو زخمِ مادر ہی میں اس کے جسم کی ساخت اور اس کی جسمانی و ذہنی صلاحیتوں

خُلِقَ مِنْ مَّاءٍ دَافِقٍ ۝ يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ ۝
 إِنَّهُ عَلَى رَجْعِهِ لَقَادِرٌ ۝ يَوْمَ تُبْلَى السَّرَائِرُ ۝ فَمَا لَهُ مِنْ

ایک اُپھلنے والے پانی سے پیدا کیا گیا ہے جو پیٹھ اور سینے کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے۔
 یقیناً وہ (خالق) اُسے دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے جس روز پوشیدہ اسرار کی جانچ پڑتال ہوگی اُس وقت
 کا تناسب قائم کرتا ہے؟ پھر کون ہے جو پیدائش سے لے کر موت کے وقت تک اس کی مسلسل نگہبانی کرتا رہتا
 ہے؟ اسے بیماریوں سے بچاتا ہے۔ حادثات سے بچاتا ہے۔ طرح طرح کی آفات سے بچاتا ہے۔ اس کے لیے
 زندگی کے اتنے ذرائع ہم پہنچاتا ہے جن کا شمار نہیں ہو سکتا۔ اور اس کے لیے ہر قدم پر دنیا میں باقی رہنے کے وہ
 مواقع فراہم کرتا ہے جن میں سے اکثر کا اُسے شعور تک نہیں ہوتا جیسا کہ وہ انہیں خود فراہم کرنے پر قادر ہو۔ کیا یہ سب کچھ
 ایک خدا کی تدبیر اور نگرانی کے بغیر ہو رہا ہے؟

۳۵ اصل میں صُلب اور ترائب کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ صُلب ریڑھ کی ہڈی کو کہتے ہیں، اور ترائب
 کے معنی ہیں سینے کی ہڈیاں یعنی پسلیاں۔ چونکہ عورت اور مرد دونوں کے مادہ تولید انسان کے اُس دھڑ سے خارج ہوتے
 ہیں جو صُلب اور سینے کے درمیان واقع ہے، اس لیے فرمایا گیا کہ انسان اُس پانی سے پیدا کیا گیا ہے جو پیٹھ اور سینے کے
 درمیان سے نکلتا ہے۔ یہ مادہ اُس صورت میں بھی پیدا ہوتا ہے جبکہ ہاتھ اور پاؤں کٹ جائیں، اس لیے یہ کہنا صحیح
 نہیں ہے کہ یہ انسان کے پورے جسم سے خارج ہوتا ہے۔ درحقیقت جسم کے اعضاء رئیس اس کے ماخذ ہیں، اور
 وہ سب آدمی کے دھڑ میں واقع ہیں۔ دماغ کا الگ ذکر اس لیے نہیں کیا گیا کہ صُلب دماغ کا وہ حصہ ہے جس کی بدولت
 ہی جسم کے ساتھ دماغ کا تعلق قائم ہوتا ہے۔ (نیز ملاحظہ ہو حمید مہر، صفحہ نمبر ۵۸۳)

۳۶ یعنی جس طرح وہ انسان کو وجود میں لانا ہے اور استقرارِ عمل کے وقت سے مرتے دم تک اس کی نگہبانی
 کرتا ہے، یہی اس بات کا کھلا ہوا ثبوت ہے کہ وہ اُسے موت کے بعد پلٹا کر پھر وجود میں لاسکتا ہے۔ اگر وہ پہلی
 چیز پر قادر تھا اور اُسی قدرت کی بدولت انسان دنیا میں زندہ موجود ہے، تو آخر کیا مقبول دلیل یہ گمان کرتے
 کے لیے پیش کی جاسکتی ہے کہ دوسری چیز پر وہ قادر نہیں ہے۔ اس قدرت کا انکار کرنے کے لیے آدمی کو سرے سے
 اس بات ہی کا انکار کرنا ہو گا کہ خدا اُسے وجود میں لایا ہے، اور جو شخص اس کا انکار کرے اُس سے کچھ بعید نہیں کہ
 ایک روز اُس کے دماغ کی عولابی اُس سے یہ دعویٰ بھی کرادے کہ دنیا کی تمام کتابیں ایک حادثہ کے طور پر چھپ گئی ہیں،
 دنیا کے تمام شہر ایک حادثہ کے طور پر بن گئے ہیں، اور زمین پر کوئی اتفاقی حادثہ ایسا ہو گیا تھا جس سے تمام کارخانے
 بن کر خود بخود چلنے لگے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان کی تخلیق اور اس کے جسم کی بناوٹ اور اس کے اندر کام کرنے والی
 قوتوں اور صلاحیتوں کا پیدا ہونا اور اس کا ایک زندہ جسم کی حیثیت سے باقی رہنا اُن تمام کاموں سے بدرجہا زیادہ

قُوَّةٍ وَلَا نَاصِرٍ ۱۱ وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ۱۲ وَالْأَرْضِ ذَاتِ
الْصَّدْعِ ۱۳ إِنَّهُ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ۱۴ وَمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ۱۵ إِنَّهُمْ
يَكِيدُونَ كَيْدًا ۱۶ وَآكِيدًا كَيْدًا ۱۷ فَمِهْلِكِ الْكَافِرِينَ
أَمْهَلُهُمْ رَوِيْدًا ۱۸

انسان کے پاس نہ خود اپنا کوئی زور ہوگا اور نہ کوئی اس کی مدد کرنے والا ہوگا۔ قسم ہے بارش
برسانے والے آسمان کی اور (نباتات اُگتے وقت) پھٹ جانے والی زمین کی یہ ایک جھج تلی
بات ہے، ہنسی مذاق نہیں ہے۔ یہ لوگ کچھ چالیں چل رہے ہیں اور میں بھی ایک چال چل رہا
ہوں۔ پس چھوڑ دو اسے نبی! ان کافروں کو اک ذرا کی ذرا ان کے حال پر چھوڑ دو۔ ع

پسیدہ عمل ہے جو انسان کے مانتوں دنیا میں ہونے اور ہورہے ہیں۔ اتنا بڑا پیچیدہ عمل اس حکمت اور تناسب
اور تنظیم کے ساتھ اگر اتفاقی حادثہ کے طور پر ہو سکتا ہو تو پھر کوئی چیز ہے جسے ایک دائمی مریض حادثہ نہ کہہ سکے،
پسیدہ اسرار سے مراد ہر شخص کے وہ اعمال ہی ہیں جو دنیا میں ایک ملازمین کر رہے گئے، اور وہ معاملہ
بھی ہیں جو اپنی ظاہری صورت میں تو دنیا کے سامنے آئے مگر ان کے پیچھے جو بنیادیں اور غرض اور خواہشات کام
کر رہی ہیں، اور ان کے جو باطنی محرکات تھے ان کا حال لوگوں سے چھپا رہ گیا۔ قیامت کے روز یہ سب کچھ کھل
کر سامنے آ جائے گا اور جانچ پڑتال صرف اسی بات کی نہیں ہوگی کہ کس شخص نے کیا کچھ کیا، بلکہ اس بات کی بھی
ہوگی کہ کس وجہ سے کیا، کس غرض اور کس نیت اور کس مقصد سے کیا۔ اس طرح یہ بات بھی ساری دنیا سے، حتیٰ کہ
خود ایک فعل کرنے والے انسان سے بھی مخفی رہ گئی ہے کہ جو فعل اس نے کیا اس کے کیا اثرات دیا ہیں ہوئے، کہاں
کہاں پہنچے، اور کتنی مدت تک چلتے رہے۔ یہ ملازم بھی قیامت ہی کے روز کھلے گا اور اس کی پیوری جانچ پڑتال
ہوگی کہ جو بیج کوئی شخص دنیا میں بو گیا تھا اس کی فصل کس کس شکل میں کب تک کٹی رہی اور کون کون اسے
کاٹتا رہا۔

۱۱ آسمان کے لیے ذات الرجیع کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ الرجیع کے لغوی معنی تو پلٹنے کے ہیں،
مگر مجازاً عربی زبان میں یہ لفظ بارش کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، کیونکہ وہ بس ایک ہی دفعہ برس کر نہیں رہ جاتی
بلکہ بار بار اپنے موسم میں اور کبھی خلاف موسم پلٹ پلٹ کر آتی ہے اور وقتاً فوقتاً برستی رہتی ہے۔ ایک اور وجہ بارش
کو رجیع کہنے کی یہ بھی ہے کہ زمین کے سمندروں سے پانی مہاپ بن کر اٹھتا ہے اور پلٹ کر زمین ہی پر برستا ہے۔

۷۵ یعنی جس طرح آسمان سے بارشوں کا برسا اور زمین کا شق ہو کر نباتات اپنے اندر سے اگلنا کوئی نفاق نہیں ہے بلکہ ایک سنجیدہ حقیقت ہے، اسی طرح قرآن جس چیز کی خبر دے رہا ہے کہ انسان کو پھر اپنے خلاق طرف لٹھنا ہے، یہ بھی کوئی منسی نفاق کی بات نہیں ہے بلکہ ایک دو ٹوک بات ہے، ایک سنجیدہ حقیقت ہے، ایک اٹل قول حق ہے جسے پورا ہو کر رہنا ہے۔

۷۶ یعنی یہ کفار اس قرآن کی دعوت کو شکست دینے کے لیے طرح طرح کی چالیں چل رہے ہیں۔ اپنی پھونکوں سے اس چراغ کو بجھانا چاہتے ہیں۔ ہر قسم کے شبہات لوگوں کے دلوں میں ڈال رہے ہیں۔ ایک سے ایک جھوٹا انداز تلاش کر اس کے پیش کرنے والے نبی پر لگا رہے ہیں تاکہ دنیا میں اُس کی بات پلٹنے نہ پائے اور کفر و جاہلیت کی وہی تازیکی چھائی رہے جسے چھانٹنے کی وہ کوشش کر رہا ہے۔

۷۷ یعنی میں یہ تدبیر کر رہا ہوں کہ ان کی کوئی چال کامیاب نہ ہو نہ پائے، اور یہ آنسو کا رنہ کی کھا کر ہیں، اور وہ نور پھیل کر رہے جسے یہ بجھانے کے لیے ایڑی چھٹی کا زور لگا رہے ہیں۔

۷۸ یعنی انہیں ذرا مدت دو کہ جو کچھ یہ کرنا چاہیں کر دیکھیں۔ نہ زیادہ مدت نہ گزرے گی کہ نتیجہ ان کے سامنے خود آ جائے گا اور انہیں معلوم ہو جائے گا کہ میری تدبیر کے مقابلہ میں ان کی چالیں کتنی کارگر ہوئیں۔



Tafheem-ul-Quran [The Meaning of the Quran] - S Abul A'la Maududi

▼ Surah!